جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

عبدالحمید بن بادیسؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

نہ کر تقدیر کا شکوہ مقدر آزمائے جا
ملے گی خود بہ خود منزل قدم آگے بڑھائے جا

1936 میں فرحت عباس، الجیریا میں وقت کے سب سے مشہور لبرل لیڈر، نے لکھا کہ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ چونکہ ماضی یا حال میں الجیریا کے کسی آبائی وطن fatherland کا سراغ نہیں ملتا لہٰذا فرانس ہی الجیریا کا آبائی وطن ہے۔ ابن بادیس نے جواب دیا،

"ہم نے بھی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا اور حال پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ الجیریائی قومیت اسی طرح وجود میں آئی اور پروان چڑھی جس طرح دوسری قومیں وجود میں آتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ اس کے پاس مذہبی اور زبانی اتحاد ہے۔ اپنی ایک تہذیب ہے، ثقافت ہے۔ اچھائیاں ہیں، برائیاں ہیں جیسا کہ ہر قوم میں ہوتی ہیں۔ یہ اسلامی الجیریائی قوم فرنچ نہیں ہے، فرنچ ہو بھی نہیں سکتی، اور فرنچ ہونا بھی نہیں چاہتی۔[15]"

(عبدالحمید بن بادیس)

عبدالحمید بن بادیس

پیدائش اور تعلیم: عبد الحمید بن بادیس 5 دسمبر 1889 کو قسطنطنیہ کے ایک تعلیم یافتہ اور باثروت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا گیا، علاوہ ازیں ذہین عبدالحمید بھی پڑھائی دل لگا کر کرتے تھے۔ چنانچہ 13 سال کی مختصر سی عمر میں انھوں نے قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے حمدان لونیسی کی شاگردی اختیار کی۔ لونیسی نے نوعمر ابن بادیس کے دل میں اسلام سے محبت اور آزادی کی شمع جلائی اور ان میں فرانس کی سامراجی قوت سے تن تنہا ٹکر لینے کا جذبہ ودیعت کیا۔ واضح رہے کہ بن بادیس کا وطن الجزائر اس وقت فرانس کی غلامی میں سسک رہا تھا۔

1908 میں اعلیٰ تعلیم کے لیے عبدالحمید تیونس کی مشہور الزیتونیہ یونیورسٹی جا پہنچے۔ یہاں انھوں نے اسلامیات اور عربی زبان میں مہارت حاصل کی۔ یہاں کئی ایسے اساتذہ تھے، جنہوں نے عبدالحمید کی فکر کو وسعت اور خیالات کو جلا بخشی۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اساتذہ نے ان کے ساتھ خصوصی شفقت وتربیت کا معاملہ رکھا اور ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کی۔ 1912 میں الزیتونیہ سے فارغ ہو کر بن بادیس ایک برس وہیں بطور مدرس مقیم رہے۔ اس کے بعد انھوں نے حج کا ارادہ کیا۔ وہ مدینے میں تقریباً تین ماہ رہے، مسجد نبوی میں اکثر درس بھی دیا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ملاقات عالم اسلام کی کئی عبقری شخصیات سے ہوئی جن میں بالخصوص شیخ حسین احمد قابل ذکر ہیں۔ یہیں ابن بادیس نے ٹھانی کہ الجزائر کے اسلامی تشخص کی بقا کے لیے عملی اقدامات کرنے ہوں گے، ورنہ وہ فرانس کی غلامی اور غیر اسلامی تصوف کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائے گا۔ شام، لبنان، مصر وغیرہ کے سفر کے دوران وہاں کے اہل علم و دانشوران سے استفادہ کرتے ہوئے عبدالحمید ابن بادیس 1913 میں قسطنطنیہ لوٹے۔

رہبر و ہادی: الجزائر لوٹ کر انھوں نے مسجد میں باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا۔ گو اس وقت وہ 24 برس کے نوجوان ہی تھے مگر ملت کے نبض شناس تھے۔ انھوں نے فوراً تشخیص کر لی کہ ملت کی زبوں حالی کا واحد سبب اسلام کو ورثے میں پانے والے روایتی مسلمانوں کی بے عملی ہے۔ الجزائر کے درویش و اہل تصوف جانے انجانے میں اسلام کے اسی روایتی ایڈیشن کو فروغ دے رہے تھے، جو نوجوان نسل کے اسلام سے برگشتہ ہونے کا باعث بن رہا تھا۔ ان حالات میں ابن بادیس نے عقل کے استعمال پر زور دیا۔ انھوں نے نوجوانوں کو اکسایا کہ وہ خود قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں، اسلام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ ساتھ ہی انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مغرب سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، مغرب نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اسلام کی خوشہ چینی سے حاصل کیا ہے، آج بھی اگر مسلمان صحیح معنوں میں قرآن وسنت کو دانتوں سے پکڑ لیں، تو منصب امامت پر دوبارہ فائز ہو سکتے ہیں۔ الغرض مغرب اور فرانس کی چاکری کے بدلے انھوں نے عوام کو اسلامی انقلاب اور آزادی کا پیغام دیا۔

حکمت عملی: 1925 میں انھوں نے ایک رسالہ المنتقد جاری کیا جس میں فرانسیسی استعمار پر سخت تنقیدیں کیں، جب اس رسالے پر پابندی لگ گئی تو انھوں نے الشهاب نامی رسالہ جاری کیا اور سخت تنقیدوں کے بدلے نرم لہجے میں تعمیری باتیں سامنے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ابن بادیس کے مطابق منزلِ مقصود تک بتدریج ہی پہنچا جا سکتا ہے، شرط صرف اتنی ہے کہ ان مراحل کے دوران کسی لمحہ بھی قائد اپنے عقائد اور اصولوں سے غافل نہ ہو۔ آزادی کے حصول اور اسلامی انقلاب لانے کا راستہ کیا ہو؟ اس سوال کے جواب میں عبدالحمید بن بادیس کی نگاہِ دوربین نے بھانپ لیا کہ عسکری انقلاب کی راہیں مسدود ہیں اور ایسی ہر بغاوت کو طاقتور فرانسیسی سامراج کچل کر رکھ دے گا، پھر الجزائری مسلمان بھی نہ تو متحد ہیں اور نہ ہی اسلامی انقلاب کے لیے اتنے پرعزم کہ اس کے لیے تن من دھن کی بازی لگا سکیں۔ لہٰذا وقت اور توانائی ضائع کرنے کے بجائے انھوں نے اسلامی انقلاب کے لیے مردانِ کار کی تیاری کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا۔ نوجوان نسل کی صحیح اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت کے لیے انھوں نے اپنے بل بوتے پر ملک بھر میں 350 سے زائد مدرسے قائم کیے۔ ان مدرسوں سے دعوتی اسکواڈ ملک کے دور دراز علاقوں میں بھیجے جانے لگے اور یوں چراغ سے چراغ

جلنے لگے۔ ان مدرسوں سے صالح مسلم نوجوانوں کی ایسی کھیپ نکلی جو فرانسیسی استبداد کے خلاف اسلامی انقلاب کی نقیب ثابت ہوئی۔ 1936 میں انھوں نے **الجیرین مسلم کانگریس** کی بنا ڈالی لیکن حکومت نے اس پر پابندی لگادی ۔عبدالحمید نے ہار نہیں مانی اور **جمعیت علماء المسلمین** قائم کر کے مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علما وفضلاء کو فرانسیسی استعمار کے خلاف اور الجزائر میں احیائے اسلام کے لیے ایک پلیٹ فارم پر لا جمع کیا۔ دفعِ ضرر کے لیے ان کی برپا کردہ تحریک نے اپنے دستور میں اس بات کی صراحت کردی تھی کہ وہ ہر قسم کے سیاسی مباحث سے دور رہیں گے۔ یہ تنظیم ایک ماہنامہ بھی نکالا کرتی تھی جس میں ابن بادیس پابندی سے قوم وملت کی رہنمائی کے لیے لکھا کرتے تھے۔

ابن بادیس ماحول کے مطابق حکمتِ عملی کی تبدیلی پر یقین ضرور رکھتے تھے لیکن اصولوں سے سمجھوتہ انھیں گوارانہ تھا یہی وجہ تھی کہ انھوں نے الجزائری مسلمانوں کے فرانسیسی شہریت اور سہولیات کے پیچھے بھاگنے کی شدت سے مخالفت کی اور اسلام کو چھوڑ کر کسی اور قوم وملت کی شہریت حاصل کرنے کو حرام قرار دیا؛ ان کی اسی جرأت کی وجہ سے اس فتنے کا قلع قمع ہو پایا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ: **حالات همیں خبردار کرسکتے هیں لیکن الله کی اجازت کے بغیر ختم نهیں کرسکتے**۔ اسی طرح جنگِ عظیم دوم کے موقع پر استعمار نے **جمیعة العلماء** سے تائیدی بیان جاری کرانے کے لیے زور ڈالا، اس دباؤ پر مجلسِ شوریٰ میں بحث ہوئی اور بالاتفاق فیصلہ ہوا ایسی کوئی تائید جاری نہیں کی جائیگی۔ تب بن بادیس نے لوگوں کو دکھایا کہ اگر مجلسِ شوریٰ استعمار کے آگے جھکتی تو وہ اپنا استعفیٰ تیار کر کے لائے تھے۔

بن بادیس ایک گوناگوں شخصیت کے حامل تھے **جامعه اخضر** میں تدریسی خدمات، مجلہ **الشهاب** کی ادارت، دینی واجتماعی موضوعات پر خطبے، تنظیمی کام، مختلف علاقوں کے دورے اور بھی بہت کچھ ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ علاوہ ازیں **المنار**، **الفتح** اور **الامة العربیه** جیسے بلند پایہ رسالوں میں بھی آپ کے مقالات پابندی سے چھپا کرتے تھے۔ وقت بچانے کی غرض سے آپ سفر راتوں کو کیا کرتے تھے۔

وفات: 16 اپریل 1940 کو عبدالحمید بن بادیس نے قسطنطنیہ میں ہی آخری سانس لی۔ حکومت کی

طرف سے طرح طرح کی رکاوٹوں کے باوجود بیس ہزار سے زائد لوگ نماز جنازہ میں شامل ہوئے، ان کا جنازہ بھی فرانسیسی استعمار کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرے میں تبدیل ہوگیا۔ گو بن بادیس اسلامی انقلاب کی صبح دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہ سکے لیکن ان کی بنائی ہوئی تنظیم، ان کے بنائے ہوئے مدارس کے فارغین نے الجزائر کی تحریک آزادی میں قائدانہ رول ادا کیا اور بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ الجزائر کے مسلمانوں کو فرانس کے سیاسی استعمار سے نجات دلانے کی کوششوں کے علاوہ ان کے ذہنوں کو آزادی دلانے اور نئی نسل کی اسلامی خطوط پر پرورش ابن بادیس کے کچھ عظیم کارنامے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین!